Faith and Discovery
July – December 2024 Vol:2, Issue:2
ISSN(p): 3007-0643
ISSN(e): 3007-0651

اسلم انصاری کی اقبال فہمی کی تفہیم

THE UNDERSTANDING OF ASLAM ANSARI'S UNDERSTANDING OF IQBAL

ڈاکٹر دبیر عباس

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، گورنمنٹ ایسوسی ایٹ کالج، میانی، سرگودھا

ABSTRACT: Allama Iqbal is a poet as well as a philosopher of Urdu and Persian Language. The dissemination and universality of Iqbal's thought and art took him out of individuality and made him a cultural heritage. His philosophical poetry has a complete system of life in it. It not only invites contemplation but also inspires action. Dr. Aslam Ansari has a special attachment to Iqbal and Iqbal's thought. He is a prominent contemporary Urdu poet. Beside a poet, he is also considered an important Iqbal Shanaas, researcher and critic. He has not only shown creative excellence in Urdu but has also written excellent poetry in Persian, English and Saraiki. His poetry comprises of many books including "Faizan-i-Iqbal". This is the only book of poetry of Aslam Ansari which can be included in the category of poetry as well as in Iqbaliyat. In this book, on the one hand Iqbal's thought has been created as a new poetry in the shade of Iqbal himself, on the other hand, a poetic tribute has been presented to Iqbal. Besides it, he has written a number of books to understand the thought and art of Allama Iqbal. By this, he has achieved a prominent recognition as an Iqbal

scholar. He has not only studied Iqbal with great effort and understandable awareness, but he has also studied the basic sciences that are required to understand Iqbal knowledge very seriously. These sciences include philosophy, history, culture, anthropology and fine arts. In this article, a critical analysis to understand the understanding of Aslam Ansari's point of view about Iqbal has been made.

Keywords: Iqbal, Aslam Asnari, Poetry, Thought, Art, Construction, Combination, Style

علامہ محمد اقبال کے فکر و فلسفہ کی وسعت اور ہمہ گیری نے ہر دور کے صاحب ادراک کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کیا ہے۔ اردو شاعری اور فلسفہ کی روایت پر اقبال کی اثر پذیری ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ اقبال کا فکر و فن ایک مستقل انسانی تہذیبی ورثہ کی حیثیت رکھتا ہے جو نہ صرف غور و فکر کی دعوت دیتا ہے بلکہ عمل پر بھی ابھارتا ہے۔ اقبال کے ہاں فلسفہ اور شاعری کا خوبصورت امتزاج ملتا ہے۔ وہ محض فلسفی نہیں، جن کے گنجلک خیالات ہماری سمجھ میں نہ آ سکیں۔ وہ عقل و خرد کے بجائے جذب و جنوں کا شیدائی ہے۔ اقبال نے اپنی ذاتی ڈائری میں فلسفہ اور شاعری میں فرق ان الفاظ میں واضح کیا ہے: "فلسفہ انسانی عقل کی خُنک تیرگی میں ٹھٹھرتے ہوئے تجربات کا مجموعہ ہے، شاعر آتا ہے اور اپنے سوزِ دل سے انہیں گرما کر واقعیت میں بدل دیتا ہے" (افتخار صدیقی، ۱۹۸۳ء، ص ۱۴۹) ۔ ایک اور مقام پر وہ شاعری کو فلسفہ پر اس لیے ترجیح دیتے ہیں کہ " فلسفہ بوڑھا بنا دیتا ہے جب کہ شاعری تجدیدِ شباب کرتی ہے" (افتخار صدیقی، ۱۹۸۳ء، ص ۱۵۹)۔ فلسفے اور شعر کے اس فرق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اقبال فلسفی نہیں شاعر تھے کیوں کہ شاعری اُن کے نزدیک آبِ حیات کا درجہ رکھتی ہے۔ عبد السلام ندوی لکھتے ہیں:

> ڈاکٹر صاحب کا کلام اگرچہ زیادہ تر فلسفیانہ، صوفیانہ، مذہبی، سیاسی اور قومی مسائل پر مشتمل ہے لیکن یہ مسائل شاعرانہ طرزِ اسلوب میں بیان کیے گئے ہیں۔ اس لیے اُن کی تمام حیثیتوں پر شاعرانہ حیثیت کو تقدم حاصل ہے اور ہم کو اس موقع پر اس حیثیت کو پیشِ نظر رکھنا اور اس کو نمایاں کرنا چاہیے۔ لیکن ڈاکٹر صاحب پر جو کچھ لکھا گیا ہے اس میں اسی شاعرانہ حیثیت کو نظر انداز کر دیا گیا ہے اور انہوں نے جن حقائق و مسائل کے متعلق اپنے خیالات ظاہر کیے ہیں، ان کی توضیح و تشریح کے لیے جو مثالیں اُن کے کلام سے پیش کی گئی ہیں۔ ان میں شاعری بہت کم پائی جاتی ہے۔ خود ڈاکٹر صاحب بھی شاعری سے برات ظاہر کرتے ہیں اور غزل گو شاعر بننے سے تو اُن کو شدت سے انکار ہے۔ اس لیے دوسرے لوگوں نے بھی ان کی مجددانہ، مصلحانہ اور فلسفیانہ حیثیت کو تو سامنے رکھا ہے اور اُن کی شاعرانہ حیثیت کو نمایاں نہیں کیا ہے

لیکن میرے نزدیک اُن کا کلام خشک فلسفیانہ مسائل کا مجموعہ نہیں ہے یعنی وہ صرف ناظم نہیں ہیں بلکہ ایک قادر الکلام شاعر ہیں۔(ندوی،۲۰۰۹ء، ص۳-۴)

اقبال کی شاعری زندگی کے بارے میں ایک مکمل اور مدلل فکری نظام پیش کرتی ہے لیکن یہ خوبی ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں ہے۔ ایسے شعرا کا انتخاب قدرت خود کرتی ہے۔ اقبال نے شعری لطافت کو قربان کیے بغیر فکر کو شعر کے قالب میں ڈھال کر شاعرانہ معجزہ کر دکھایاہے۔پروفیسر رشید احمد صدیقی کے الفاظ میں :

اقبال کی شاعری خود شاعری کی معراج ہے۔انہوں نے جذبات کو فکر کا درجہ دے دیا ہے اور فکر کو جذبات کا آب و رنگ بخشا ہے۔ دونوں صورتوں میں اقبال کا آرٹ و ایقان، دوش بدوش کار فرما چلتا ہے۔ بحیثیت مجموعی ان کا کلام پڑھ کر ہمیں یہ محسوس نہیں ہوتا کہ اقبال کہاں تک حکیم اور کہاں اور کس حد تک شاعر ہیں بلکہ حکیم اور شاعر ایک دوسرے سے مربوط نظر آتے ہیں۔(رشید صدیقی، ۱۹۴۹ء، ص۱۸۲)

اقبال کی فکر، علم و ادب کے باب میں ایک ممتاز مقام رکھتی ہے اور اس نے ہمارے ملی اور سیاسی افکار پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ اقبال کو ہر دور کے فلسفہ دانوں اور سخن شناسوں کی توجہ حاصل رہی ہے ۔یہی سبب ہے کہ اقبالیات ایک الگ شعبہ علم کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ جو محض تکلف کی بات نہیں کیوں کہ ہر عظیم فکر اور شاعر کو نئے دور کے تناظر میں جانچے اور پرکھے جانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ڈاکٹر یوسف حسین خان نے فکر اقبال کی مقبولیت کی پیشین گوئی ان الفاظ میں کی تھی :

اقبال کی زندگی میں مشرق و مغرب کے علم کے دھارے آکر مل گئے تھے۔ اس کا کلام اس کے دل و دماغ کی غیر معمولی صلاحیتوں کا آئینہ دار ہے۔ اس نے عہدِ جدید کے انسان کا جو فلسفہ پیش کیا ہے، جسے وہ مردِ مومن کہتا ہے وہ ایسا جان دار تصور ہے جو ہمیشہ زندہ رہے گا، اتنی ہی اس کے کلام کی تاثیر بڑھتی جائے گی۔ ادب اس کے جذبات کی قدر کرے گا۔ فلسفہ اس کے تخیل وجدان سے بصیرت افروز ہو گا اور سخن آرائی اس کی نازک خیالی پر وجد کرے ی۔(خاں،۱۹۶۹ء، ص۱۴)

خلیفہ عبدالحکیم، فکر اقبال میں موجود تصورِ ملت کے حوالے سے ان خیالات کے مالک ہیں کہ " اقبال کے افکار کا احاطہ کرنا اور اس کے ہر خیال اور ہر تاثر کے مضمرات کا کماحقہ پیش کرنا کسی ایک مصنف کا کام نہیں اور نہ ہی کوئی ایک تصنیف اس کا حق ادا کر سکتی ہے۔ اقبال مسلمانوں کے مذہبی اور تہذیبی شعور کا ایک جزولاینفک بن گیا ہے۔ اقبال اگر انا الملت کا نعرہ لگاتا تو بجا ہوتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ملتِ اسلامیہ کے ساتھ اقبال بھی ابد قرار ہو گیا ہے۔ اگر اس کے افکار محدود اور ہنگامی ہوتے تو کچھ عرصے کے بعد زمانہ انہیں پیچھے چھوڑ کر آگے نکل جاتا لیکن اقبال کی افکار اور اس کے وجدانات میں ایک لامتناہی صفت پائی جاتی ہے جو نہ صرف زمان و مکان بلکہ اس ملت کی حدود سے بھی وسیع تر ہے جس کا عروج وزوال اس کا خاص موضوعِ فکر اور جس کا درد اس کے دل و جگر کا سرمایہ تھا"۔ (خلیفہ، ۲۰۱۵ء، ص۲۷)

اقبالیات کی روز افزوں مقبولیت نے جہاں اقبال کی فکر کو عام قاری کے لیے آسان فہم بنایا ہے، وہاں اس سلسلے میں حسبِ ضرورت پیش رفت نہیں ہو سکی۔ بعض اقبال شناس ناقدری اور نافرمانی پر شکوہ بھی کرتے ہیں۔ ایسے صاحبان میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری بھی شامل ہیں ان کے مطابق:

> جیسے جیسے وقت آگے بڑھ رہا ہے، اقبال اور اقبال کی مقبولیت واہمیت بڑھتی جا رہی ہے۔ اس مرتبے کا شاعر اگر کسی اور ملک یا زبان میں ہوتا تو اس کے لیے کیا کچھ نہ کیا جاتا اور کیا کچھ نہ لکھا جاتا، لیکن ہم نے اب تک اقبال شناسی کا حق پوری طرح ادا نہیں کیا۔ یہ مطلب نہیں کہ اقبال پر کچھ کام نہیں ہوا۔ بہت کچھ ہوا ہے۔ سیکڑوں کتابیں اور ہزاروں مقالے منظرِ عام پر آئے ہیں اور بلحاظِ مقدار یہ ذخیرہ قابلِ اعتنا بھی ہ، لیکن معیار و افادیت کے لحاظ سے بہت کم حصہ ایسا ہے، جسے اقبال شناسی کا نام دیا جا سکے۔ (فتح پوری، ۲۰۱۰ء، ص۱۵)

فرمان فتح پوری کے خیال میں اقبال کے کلام میں آنے والی علمی و فنی اصطلاحات کی بلحاظ حروف تہجی جامع لغت مرتب کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ کلام اقبال میں اشخاص، مقامات، تلمیحات اور کتب کا اشاریہ بھی ترتیب دیا جانا چاہیے، جس پر کافی حد تک عام ہو چکا ہے۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی بھی اقبالیاتی تحریروں میں مزید بہتری کے خواہاں ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ

اقبال کی شاعری میں فکر و فلسفہ اور شخصیت الغرض ہر ہر موضوع پر خامہ فرسائی کی گئی ہے لیکن اقبالیات کے نام سے جو ذخیرہ ادب تیار ہو چکا ہے وہ اس پائے کا نہیں جیسا کہ ہونا چاہیے تھا۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ اقبال پر قلم اٹھانے کے لیے جس وسعتِ مطالعہ اور اسکالرشپ کی ضرورت ہے، وہ ہمارے اقبالی نقادوں میں اللہ ماشاء اللہ مفقود ہے۔

دنیا کی ہر بڑی شاعری انسانی فکر و تخیل کو ہر دور میں متاثر کرتی ہے اور ہر بار اس کا مطالعہ فکر و خیال کے نئے در وا کرتا ہے۔ یہ خوبی اقبال کی شاعری میں بھی بدرجہ اتم پائی جاتی ہے لیکن ناقدین نے ادب کے وضع کردہ اصولوں اور اقبالیات کے موضوع پر پہلے سے لکھی گئی تحریروں کی موجودگی میں اپنا نام پیدا کرنا آسان کام نہیں۔

ڈاکٹر اسلم انصاری، اوائل عمر ہی میں اقبال کی فکری اور شاعری سے جڑے نظر آتے ہیں۔ بچپن میں انھیں جس کتاب نے زیادہ متاثر کیا وہ اقبال کی بانگِ درا تھی۔ گھر کے علمی و ادبی ماحول میں اُن کا شعری ذوق پروان چڑھتا گیا اور یہی پختگیِ اقبال فہمی میں ان کی مددگار ثابت ہوئی۔ گھر میں فارسی زبان کے چلن نے انھیں فارسی ادبیات سے روشناس کروایا۔ بچپن ہی میں ان کی شناسائی حافظ، سعدی اور رومی کے کلام سے ہو گئی تھی، جس کی بدولت ان کے لیے اقبال شناسی کی راہ آسان ہو گئی۔

اقبال شناسی کا باقاعدہ آغاز ان کے مقالہ "اقبال اور فنونِ لطیفہ" سے ہوتا ہے جو ۱۹۵۹ء میں 'جرس' ملتان میں شائع ہوا۔ بعد ازاں اورینٹل کالج لاہور میں ڈاکٹر سید عبداللہ اور سید وقار عظیم جیسے ماہرینِ اقبالیات کے زیرِ اثر اُن کی علمی جستجو بڑھتی چلی گئی۔ لاہور کی مجموعی علمی و ادبی فضا نے بھی اُن کی تعلیم پر دوررس اثرات مرتب کیے۔ لاہور میں موجود اُس وقت کے نابغہ روزگار اہلِ علم سے اُن کا تعارف ہوا، جن میں سید نذیر نیازی، سجاد باقر رضوی اور ڈاکٹر محمد باقر کے نام نمایاں ہیں۔ انھوں نے ۱۹۶۲ء میں پنجاب یونی ورسٹی میں اقبالیات کے موضوع پر منعقدہ مقابلہ مضمون نویسی میں 'مسجدِ قرطبہ کا تنقیدی مطالعہ' کے عنوان سے مضمون لکھ کر پہلی پوزیشن حاصل کی۔ اِس مقابلے کے منصفین سید نذیر نیازی، ڈاکٹر محمد باقر اور سید وقار عظیم تھے۔ اسلم انصاری اس یادگار علمی کامیابی کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

منصفین کے متفقہ فیصلہ کے مطابق میری ناچیز تحریر کو اول انعام کا مستحق قرار دیا گیا۔ گورنمنٹ کالج کے امتیاز جاوید نے دوسری پوزیشن حاصل کی۔ تقریب کے اختتام پر سید نذیر نیازی نے خصوصی التفات اور توجہ سے سرفراز فرمایا اور مجھ سے میرے بارے میں کچھ باتیں پوچھتے رہے اور بار بار حوصلہ افزائی کے کلمات ادا کرتے رہے۔ سید وقار عظیم کا شفیق اور متبسم چہرہ اور ان کی ذہین اور بیدار آنکھیں زبانِ خاموشی سے میری حوصلہ افزائی کر رہی تھیں۔(انصاری، ۲۰۱۱ء:ص ۶۲)

اسلم انصاری کا مذکورہ بالا مطالعہ اُن کی وسعتِ مطالعہ کی غمازی کرتا ہے، جس میں انھوں نے طویل نظم کی روایت، تجربہ، خارجی مظہر کی شعری اور معنوی تشکیل کے عنوانات کے تحت جدید فلسفہ اور فنِ تعمیر کے مختلف پہلوؤں کے حوالے سے مسجد قرطبہ کا فنی اور فکری مطالعہ پیش کیا ہے، انھوں نے اقبال کی فارسی مثنوی' بندگی نامہ' میں بیان کیے گئے فنَ تعمیر کے نظریات پر بھی بحث کی ہے اور نظم 'مسجدِ قرطبہ' کو تکملہ قرار دیا ہے۔اقبال شناسی میں اُن کے اِس شان دار آغاز میں اہلِ نقد و نظر کو اُن کی طرف متوجہ کیا۔ بعد ازاں عملی زندگی میں بھی اقبال شناس شخصیات اسلم انصاری کے حلقہ احباب میں رہیں، جن میں ڈاکٹر عاصی کرنالی اور پروفیسر جابر علی سید کے نام قابلِ ذکر کریں۔ پروفیسر جابر علی سید کی کتاب "اقبال ایک مطالعہ" اور "اقبال کا فنی ارتقاء" اقبالیات میں کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ اسلم انصاری کا اکثر ان کے ساتھ مکالمہ رہتا۔ ڈاکٹر حفیظ الرحمٰن اور ڈاکٹر مختار ظفر اُن کے قریبی دوستوں میں سے ہیں جو تنقید و تحقیق کے علاوہ اقبال سی میں بھی بلند مقام رکھتے ہیں۔

۱۹۸۷ء میں "اقبال عہد آفریں" کی اشاعت کے بعد اسلم انصاری، اقبال شناسوں کی صف میں باضابطہ شامل ہوئے۔ "اقبال عہد آفریں" میں شامل مقالات ان کے تبحرِ علمی کو ظاہر کرتے ہیں، جن میں سے بعض مقالات مثلاً اقبال کی بیانیہ شاعری، اقبال اور عشقِ رسول، اقبال کا تصورِ تاریخ، فارسی شاعری میں اقبال کی فکری و فنی ترجیحات، اقبال کا لفظی تخیل، اقبال کی مختصر ترین مثنوی بندگی نامہ اور شاعرِ مشرق اور عبدالرحمن چغتائی، موضوع اور مواد کی پیش کش کے اعتبار سے انفرادیت کے حامل ہیں۔ "اقبال عہد آفریں" اسلم انصاری کے تیس سالہ مطالعہ اور

فکرِ اقبال میں غوطہ زنی کا حاصل ہے جسے علمی و ادبی حلقوں میں بے حد سراہا گیا۔ پروفیسر افتخار حسین شاہ اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں :

فردوسی نے شاہنامہ کے متعلق یہ کہا تھا

بسے رنج بردم دریں سال سی
عجم زندہ کردم بدیں پارسی

اگر کہنہ مشق مضمون نگار اور شاعر پروفیسر اسلم انصاری اپنی باعثِ صد آفریں تصنیف 'اقبال عہد آفریں' کی اشاعت پر ۱۹۸۷ء میں فردوسی کی طرح دعویٰ کرتے تو اس میں حق بجانب ہوتے۔ (افتخار صدیقی، ۱۹۸۳ء: ص ۱۲۰)

پروفیسر افتخار حسین شاہ نے اسلم انصاری کو اُن کی اقبال شناسی کے سبب 'اسد ملتانی ثانی' کہا ہے، جو اسلم انصاری کی اقبالیاتی تحریروں اور ان کی منظوم اقبالیات کی بنا پر بتمام و کمال صادق آتا ہے۔

اسلم انصاری نے "اقبال عہد آفریں" میں اقبال کی فکر و فن کے جن فکری پہلوؤں پر تحقیقی، تنقیدی اور تجزیاتی مقالات پیش کیے ہیں وہ فلسفیانہ اندازِ نظر کے حامل ہیں۔ فلسفہ، تاریخ اور مغربی تنقیدِ ادب کے مطالعہ سے مملو ہونے کے باوجود یہ مضامین معانی اور مطالب کے لحاظ سے بوجھل نہیں۔ اسلم انصاری کا اسلوب اگرچہ علمی ہے لیکن اس میں کہیں کہیں خیال آفرینی بھی شامل ہو گئی ہے جس کا سبب اسلم انصاری کا شاعر ہونا ہی ہو سکتا ہے۔ اسلم انصاری نے خشک فلسفیانہ مباحث کو جس دل نشین پیرائے میں بیان کیا ہے وہ لائقِ تحسین ہے۔ جسٹس جاوید اقبال کے خیال میں اسلم انصاری کا اسلوبِ تحریر ادبیت اور علمیت کے بہترین اجزا سے ترکیب پاتا ہے (جاوید اقبال، ۲۰۱۱، فلیپ اقبال عہد آفریں)۔ کتاب کے ہر باب کے آغاز میں مشہور مصور اسلم کمال کی تصویر آنے والے باب کے فکری میلانات کی طرف کامیابی سے رہنمائی کرتی ہے۔ یہ تصاویر مصور کے علاوہ مصنف کے اعلیٰ شعری ذوق کی عکاس بھی ہیں۔ کتاب کی دلکشی میں اِن سے یقیناً اضافہ ہوا ہے۔ ڈاکٹر فیض کے خیال میں:

اسلم انصاری کے ان مضامین میں علامہ اقبال ایک ایسی علمی اور فکری تحریک کے طور پر ابھرتے ہیں، جو مسلمانوں کے لازوال ماضی کو اپنے اندر سموئے ہوئے ایک نئے مستقبل کی نوید دیتی ہے، جس میں عصرِ حاضر کے مسلمانوں کے ذہنی و فکری اور سیاسی مسائل کا حل موجود ہے۔(اسد،۱۹۹۹ء:ص۱۰۹)۔

" فیضانِ اقبال" اسلم انصاری کی اقبالیات پر دوسری کتاب ہے جس میں روایتی مدح سرائی کے باوصف اقبال کی فکر کے مختلف پہلوؤں کو اضافوں کے ساتھ منظوم کیا گیا ہے۔"فیضانِ اقبال"کا انتساب انھوں نے اپنے ایک مرحوم دوست مشتاق احمد پرواز کے نام کیا ہے، جن کے بارے میں اسلم انصاری کا کہنا ہے کہ مشتاق احمد پرواز لندن میں مقیم تھے۔انھیں اقبال کے شعر و سخن سے عشق تھا۔ لندن سے دو دو گھنٹے ان سے ٹیلیفون پر اقبال کی فکر اور شاعری پر گفتگو رہتی۔اتنی دور سے اتنی دیر تک ٹیلی فون پر بات کرنا کوئی مذاق نہیں۔اگرچہ وہ افورڈ کر سکتے تھے لیکن وہ تو کوئی اور بھی کر سکتا ہے تاہم یہ اپنے اپنے نصیب اور توفیق کی بات ہے وہ چاہتے تھے کہ پاکستان میں کوئی ایسی یونی ورسٹی قائم کی جائے جس میں فلسفہ اقبال کے تمام پہلوؤں کی تدریس و تحقیق ہو، اگرچہ یہ ایک مثالی اپروچ تھی لیکن وہ توقع رکھتے تھے کہ اس سلسلے میں مَیں ان کی معاونت کروں گا۔

" فیضانِ اقبال" میں شامل منظومات ہیئت اور موضوعات کے اعتبار سے ایک نادر تجربہ ہیں، جن میں اسلم نصاری کی شاعرانہ اپج کی خوب دادِ سخن دی ہے۔خود لکھتے ہیں کہ " فیضانِ اقبال"کا بنیادی نقش بھی کئی برس پہلے ایک منظوم ریڈیائی غنایئے کی صورت میں وجود میں آیا،جو کئی اور منظوم اجزاء کی تخلیق کا باعث بنا۔اِس میں شامل ساقی اور کینٹوز عین اس وقت مکمل ہوئے جب یہ کتاب کمپوزنگ کے مرحلے میں تھی۔ یہ ایک انوکھا تجربہ ہے، لیکن سوائے چند ایک اصطلاحات کے اس کی لفظیات اقبال سے ماخوذ نہیں بلکہ میرے اپنے شعری لحن کا ایک حصہ ہیں، البتہ "فیضانِ اقبال" میں جزوی طور پر بعض تصورات کی ایسی نشان دہی کی گئی ہے جو ہمارے عہد کی تہذیبی ہی نہیں ثقافتی سطح سے بھی ہم آہنگ ہو سکے۔(جاوید اصغر،۲۰۰۲ء، ص ۱۷۴)

اقبال نے جن دانش وروں سے اکتساب یا اختلاف کیا، اسلم انصاری نے 'اقبال عالمِ مثال میں' اُن کا اقبال کے ساتھ منظوم مکالمہ پیش کیا ہے جو کئی اعتبار سے اہمیت رکھتا ہے۔

"فیضانِ اقبال" میں ہیئت کے تجربے بھی کیے گئے ہیں۔ مجموعی اعتبار سے "فیضانِ اقبال" شاعرانہ اسلوب اور حکیمانہ طرز کی حامل ہے۔

اسلم انصاری بنیادی طور پر شاعر ہیں لیکن اُن کی تحقیقی و تنقیدی تحریریں بھی منفرد اسلوب کی حامل ہیں۔ معیار اور حُسنِ انتخاب اسلم انصاری کے مزاج کا حصہ ہیں، یہی وجہ ہے کہ اقبال کے سلسلے میں بھی وہ محض کتابوں کی تعداد بڑھانے کے قائل نہیں۔ "شعر و فکرِ اقبال" اُن کی تیسری اقبالیاتی کتاب ہے، جس میں شامل ۸ مقالات فکر اقبال کے مختلف زاویوں کا احاطہ کرتے ہیں۔ ان میں سے تین مضامین میں شیکسپیئر، غالب اور بیدل کو پیش کیے گئے اقبال کے خراجِ تحسین کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ایک شاعر کی حیثیت سے اسلم انصاری نے اقبال کے شعری محاسن کو موضوعِ گفتگو بنایا ہے۔ انھیں اقبال کی اردو اور فارسی شاعری کے فنی اور فکری کمالات مرغوب ہیں۔ جاوید نامہ کی تمثیلی معنویت اور ڈرامے کے حوالے سے اُن کا مضمون بہت سی نئی باتوں سے پردہ اٹھاتا ہے۔ پروفیسر حفیظ الرحمن خان کے الفاظ میں " شعر و فکرِ اقبال" مطالعہ اقبال کے حوالے سے ڈاکٹر اسلم انصاری کی اعلیٰ ذوقِ جمال، وسیع علم و مطالعہ اور پختہ و شستہ تحقیقی و تنقیدی شعور کی آئینہ دار ہے۔ (حفیظ خان، ۱۹۹۹ء، فلیپ شعر و فکرِ اقبال)

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی بھی شعر و فکرِ اقبال کے مداحی ہیں۔ وہ اسلم انصاری کی اس کتاب سے متعلق لکھتے ہیں کہ "ڈاکٹر اسلم انصاری نے بڑی ذہانت اور قابلِ فہم شعور کے ساتھ اقبال کا مطالعہ کیا ہے کہ اقبال کا فکر و فلسفہ مشرقی اقوام خصوصاً ایشیائی ملکوں کے لیے آج بھی اتنا ہی اہم ہے جتنا بیسویں صدی کے ابتدائی عشروں میں تھا"۔ (ہاشمی، ۲۰۰۹ء، ص۱۳۸)

اقبالیات کے سلسلے میں اسلم انصاری کی چوتھی کتاب "اقبال عہد ساز شاعر اور مفکر" میں شامل سولہ مقالات اقبال کے مختلف فکری اور فنی پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہیں۔ اسلم انصاری نے اپنے بزرگ دوست پیر احمد اعجاز کے نام لکھے گئے خطوط کو مقالات کی صورت میں پیش کیا ہے جو گورنمنٹ ایمرسن کالج ملتان میں فلسفے کے پروفیسر تھے اور اقبال کی شاعری اور فلسفہ سے گہرا لگاؤ رکھتے تھے۔ پہلے خط میں اقبال کے ایک شعر میں حرفِ شیریں کے حوالے سے بحث کی گئی ہے۔ اسلم انصاری کا مؤقف ہے کہ حرفِ شیریں سے مراد اقبال کی شاعری ہے جب کہ دوسرے خط میں اقبال کے فارسی شعر کے ایک انگریزی ترجمہ کی غلطی کی نشان دہی کی گئی ہے۔

سترہ مضامین پر مشتمل اسلم انصاری کی اقبالیات پر اب تک شائع ہونے والی آخری کتاب "مطالعاتِ اقبال" ہے۔علامہ اقبال نے اپنے بنیادی نظریات وخیالات کو دو لفظوں یا اصطلاحوں میں سمودیا ہے۔ان دو لفظوں میں ایک لفظ "خودی" اوردوسرا "بے خودی" ہے۔ اقبال سے پہلے بھی یہ دونوں الفاظ اُردو شاعری میں استعمال ہوتے رہے ہیں لیکن اقبال نے اِن لفظوں کو روایتی مفہوم سے ہٹ کر اپنے مقرر کردہ مفاہیم میں استعمال کیا ہے۔ اقبال نے خودی سے متعلق اپنے نظریات وخیالات "اسرارِ خودی" میں جب کہ بے خودی سے متعلق اپنے خیالات "رموزِ بے خودی" میں بیان کیے ہیں۔ یہ دونوں کتابیں اُن کے فارسی کلام کے مجموعے ہیں۔اسلم انصاری کی مطالعات میں شامل مضامین و مقالات کو بھی واضح طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک وہ مضامین کہ جن کا موضوع خودی ہے اور دوسرے وہ مضامین جو متفرق موضوعات کا احاطہ کرتے ہیں۔ خودی، خود شناسی، انائے ذات اور تکمیلِ ذات کو محیط مضامین کی تعداد کل مضامین کے نصف کے برابر ہے، جو یقیناً مصنف کی ذاتی فلسفیانہ جہت پر بھی عکاس ہے۔ اسی طرح اقبال کے شعر و فکر کا مستشرقین اور متقدمین کے ساتھ تقابلی جائزہ بھی جہاں ہر دو کے حوالے سے دلچسپ اور فکر انگیز ہے، اسی طرح مصنف کی تنقیدی اپروچ پر بھی دلیل ہے۔

اسلم انصاری کی اقبال شناسی کا ایک اہم پہلو اُن کی فارسی شاعری ہے۔ فارسی زبان اُن کے گھر میں مروج تھی۔ اُن کے والدِ محترم فارسی زبان و ادب سے خاص شغف رکھنے کے علاوہ فارسی میں شعر بھی کہتے تھے۔ اسلم انصاری کی بڑی بہن بھائی بھی فارسی زبان میں دسترس رکھتے تھے۔ اُن کے زیرِ اثر انھوں نے بچپن ہی میں فارسی زبان میں مہارت حاصل کر لی اور کالج میں انھیں جو استاد ملے، انھوں نے بھی ان کے ذوق وشوق کو چار چاند لگا دیے۔ اسلم انصاری نے پہلی فارسی غزل ایس اے کے دوران لکھی اور بعد ازاں یہ سلسلہ رواں دواں رہا۔ اسلم انصاری کی فارسی شاعری کو سامنے رکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اقبال اور اسلم انصاری کی دلچسپی کے موضوعات میں یگانگت پائی جاتی ہے۔ مزید بر آں جن کتب کا مطالعہ اقبال نے کیا، اسلم انصاری نے بھی اقبال کی پیروی کرتے ہوئے اُن کا مطالعہ کیا۔ اسلم انصاری کی ایک شائع شدہ مثنوی "چراغ لالہ" کا دیباچہ معروف جرمن مستشرق اور اقبال شناس این میری شمل نے تحریر کیا ہے۔

اسلم انصاری اقبال کی شاعری اور فلسفے کو عالم گیر دانش کا حصہ خیال کرتے ہیں۔ ان کے الفاظ میں فکرِ اقبال اب اسی طرح ایک مستقل انسانی تہذیبی اثاثہ ہے جس طرح افلاطون یا ارسطو کی افکار، جس طرح کانٹ، ہیگل اور گوئٹے کے افکار۔ چوں کہ اقبال زبانی طور پر ہمارے قریب ہے اور ہمارے تہذیبی اور مذہبی فریم ورک میں نہ صرف شریک ہے بلکہ کسی حد تک اس کی نئ تشریحات کا حامل ہے، اس لیے اس اہمیت ہمارے لیے کہیں زیادہ ہے۔ ہم اس سے کیا کچھ سیکھ سکتے ہیں محتاجِ بیاں نہیں۔ ہم آج بھی اس سے ایک قوم کی حیثیت سے زندہ رہنے کا سبق حاصل کر سکتے ہیں، اس کی فکر کی روشنی سے ہم اپنی فکری اور کرداری کوتاہیوں کا ازالہ کرنے کا طریقہ کار اخذ کر سکتے ہیں، ہم اقبال سے سوچنا اور عمل کرنا سکتے ہیں۔

اسلم انصاری نے اقبال کی فکر و فن پر کتب محض اقبال شناسوں میں نام لکھوانے کے لیے نہیں لکھیں بلکہ یہ فکرِ اقبال کے ساتھ اُن کی ذہنی اور قلبی وابستگی کیے سبب احاطہ تحریر میں آئی ہیں۔ وہ جذبے کی صداقت پر یقین رکھتے ہیں اور سستی شہرت سے دور بھاگتے ہیں۔ اقبالیاتی حوالے سے متذکرہ بالا تحقیقی و تنقیدی اور تخلیقی کام کے علاوہ اسلم انصاری نے ڈاکٹر آفتاب اصغر کے اشتراک سے اقبال اکادمی پاکستان کے ایک پراجیکٹ کے تحت اقبال کے اردو کلام کا فارسی ترجمہ بھی کیا ہے، جو تاحال شائع نہیں ہوا۔ فکرِ اقبال کی ترویج و اشاعت کا فریضہ سرانجام دینے والے اِس ادارے کو نہ صرف اس ترجمے کو شائع کرنا چاہیے بلکہ اسلم انصاری کی دوسری اقبالیاتی کتب بالخصوص "فیضانِ اقبال" کی کمیابی اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ اس اہم کتاب کی اشاعت کا بھی اہتمام کیا جائے۔

اردو شاعری اور فلسفہ کی روایت اقبال کے فکر و فلسفہ کی وسعت اور ہمہ گیری نے ہر دور کے صاحبِ علم و ادراک کی توجہ کو اپنی جانب مبذول کیا اسلم انصاری نے جس شرح و بسط سے اقبال کے فکر و فن کے حوالے سے اظہارِ خیال کیا ہے، وہ اُن کے اعلیٰ ذوقِ جمال، وسعتِ مطالعہ اور پختہ تنقیدی و تحقیقی شعور کا آئینہ دار ہے۔ اقبالیات کے ضمن میں اسلم انصاری کے محققانہ و ناقدانہ مقالات اور منظوم اقبالیات کی ذیل میں اردو اور فارسی میں تخلیق کیے گئے شعر پاروں سے سے ظاہر ہے کہ وہ اقبال کی فلسفیانہ، مفکرانہ اور شاعرانہ جہات پر مدلل، فکر انگیز اور قابلِ فہم اسلوب میں اظہارِ خیال کی نابغانہ استعداد رکھتے ہیں۔

اسلم انصاری کی علمی و فکری اعلیٰ ظرفی کا اس سے بڑھ کر اور ثبوت کیا ہو سکتا ہے کہ ایک شاعر کی حیثیت سے انھوں نے ایک دوسرے شاعر کی فکری و فنی عظمت کے اعتراف میں پانچ کتابیں لکھی ہیں۔ اسلم انصاری اپنے ایک شعری مجموعے کے دیباچے میں لکھتے ہیں کہ تحقیق و تنقید نے سالہا سال میرے اوقاتِ فرصت میں اپنا تصرف برقرار رکھا ورنہ میرے شعری مجموعوں کی تعداد کہیں زیادہ ہوتی۔ یوں اسلم انصاری نے اپنی تخلیقی توانائی کو اشعار میں ڈھالنے کے بجائے اقبال فہمی میں صرف کر کے بحیثیت شاعر ایثار کی ایک روشن مثال قائم کی ہے۔ فلسفہ، فنونِ لطیفہ، تاریخ، مشرقی و مغربی تنقید و ادب اور مذہبی علوم سے بہرہ مند، اسلم انصاری طبعاً اقبال شناس واقع ہوئے ہیں۔ وہ سنجیدہ علمی و ادبی حلقوں میں بلند پایہ شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ بطور اقبال شناس بھی ایک مستند حوالہ بن چکے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ اسد فیض، ڈاکٹر، (۱۹۹۹)، ملتان میں اقبال شناسی، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن۔

۲۔ انصاری، اسلم، ڈاکٹر، (۲۰۱۱الف)، اقبال عہد آفریں، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان۔

۳۔ انصاری، اسلم، ڈاکٹر، (۲۰۱۱ب)، اقبال: عہد ساز شاعر اور مفکر، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان۔

۴۔ انصاری، اسلم، ڈاکٹر، (۱۹۹۹)، شعر و فکرِ اقبال، ملتان: مجلس فکرِ اقبال۔

۵۔ جاوید اصغر، ڈاکٹر، (۲۰۰۲)، گفتگو کا چراغ، لاہور: فکشن ہاؤس۔

۶۔ خاں، یوسف حسین، ڈاکٹر، (۱۹۶۹)، روحِ اقبال، لاہور: آئینۂ ادب۔

۷۔ خلیفہ، عبدالحکیم، ڈاکٹر، (۲۰۱۵)، فکرِ اقبال، لاہور: مشتاق بک کارنر۔

۸۔ صدیقی، افتخار احمد، ڈاکٹر (مترجم)، (۱۹۸۳)، شذراتِ فکرِ اقبال، لاہور: مجلسِ ترقی ادب۔

۹۔ صدیقی، رشید احمد، (۱۹۴۹)، گنج ہائے گراں مایہ، راولپنڈی: تھری فرینڈز پبلشرز۔

۱۰۔ فتح پوری، فرمان، ڈاکٹر، (۲۰۱۰)، اقبال سب کے لیے، لاہور: الوقار پبلی کیشنز۔

۱۱۔ ندوی، عبدالسلام، (۲۰۰۹)، اقبال کامل، علی گڑھ: دارالمصنفین شبلی اکیڈمی۔

۱۲۔ ہاشمی، رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، (۲۰۰۹)، پاکستان میں اقبالیاتی ادب – تفہیم و تجزیہ، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان۔